© rasailojaraid.com

تدبر قرآن۔ ایک مطالعہ

فخر الاسلام اعظمی

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا مگر اس کے مخاطب صرف عرب ہی نہیں بلکہ ساری دنیا ہے اور وہ تمام بنی نوع انسان کے لیے کتاب رحمت اور صحیفۂ ہدایت ہے۔ یہ کسی مخصوص وقت یا زمانے کے لیے نہیں بلکہ خدا کا ابدی پیغام ہے۔ اس کی دعوت کسی خاص رنگ، نسل اور زبان والوں تک محدود نہیں۔ اس کی دعوت عالم گیر، آفاقی اور ساری کائنات کے لیے فوز و فلاح کی ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں قرآن اور علوم قرآن کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ رسول اکرمؐ کے زمانے میں فہم قرآن سے متعلق کوئی اشکال سامنے آتا تو آپؐ اسے رفع فرما دیتے۔ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے تربیت یافتہ صحابہؓ موجود تھے جو اس فرض کو انجام دیتے۔ تاہم تمام صحابہؓ فہم قرآن میں یکساں نہیں تھے بعض صحابہؓ اپنی ذہانت، تدبر و تفکر اور علوم قرآن سے غیر معمولی شغف و انہماک کی وجہ سے دوسرے صحابہؓ کے مقابلے میں ممتاز و نمایاں تھے۔ ان صحابہ رضی میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اپنی تفسیری خدمات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان اصحاب کرامؓ سے منقول تفسیری اقوال کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے ادوار میں بھی ایسی بہت سی شخصیتیں نظر آتی ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں تدبر قرآن اور اس کی تشریح و تفسیر کے لیے وقف کر دی تھیں۔ تابعین میں سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ اور مجاہدؒ، اور بعد کے مفسرین میں ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، امام رازیؒ، زمخشریؒ وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

قرآن اور علوم قرآن سے دلچسپی صرف عرب اور عربی زبان بولنے والوں تک محدود نہیں رہی بلکہ دوسری زبانوں میں بھی قرآنیات سے متعلق کثرت سے کتابیں لکھی اور شائع کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئیں۔ اردو زبان جو دوسری ترقی یافتہ علمی زبانوں کے مقابلے میں کافی کم عمر ہے۔ اس میں بھی ترجمہ تفسیر اور دیگر علوم قرآن سے متعلق مستم بالشان کام ہوا ہے اور بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان تصنیفات میں کہیں کہیں یکسانیت کا احساس ضرور ہوتا ہے لیکن انھیں تکرار محض قرار دے کر ان کی افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمہ قرآن سے لے کر موجودہ زمانے تک کے تراجم و تفاسیر کے تقابلی مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجمین و مفسرین کے مخصوص ذوق و رجحان اور اندازِ غور و فکر کی وجہ سے موضوعات کی یکسانیت کے باوجود ان میں تازگی پیدا ہو گئی ہے اور بعض تفاسیر میں اجتہادی شان بھی نمایاں ہے۔ ان تفاسیر میں فکر فراہی کے شارح و ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی کی 'تدبر قرآن' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ جو مکمل تفسیر نو[۱] جلدوں میں ہے۔

مولانا اصلاحی کی مفسرانہ شخصیت کی تعمیر و تشکیل مولانا حمید الدین فراہیؒ کے ہاتھوں ہوئی جو قرآنی علوم کے ماہر اور اس میدان میں ایک مجددانہ شان کے مالک تھے۔ قدماء کی تفسیری روایات کی تقلید محض کے بجائے اپنے مجتہدانہ ذوق و نظر سے اپنے لیے صف عام سے الگ جگہ بنائی اور قرآن کے اسرار و رموز کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ قرآن و قرآنی علوم سے متعلق مولانا کی تصانیف سے ان کی قرآن فہمی، تبحرِ علمی، وسعتِ مطالعہ اور مجتہدانہ شان کا اندازہ ہوتا ہے[۲]۔

مولانا امین احسن اصلاحی کو علامہ فراہیؒ سے قرآنی علوم میں استفادہ کرنے کا بھرپور موقع ملا۔ وہ مولانا فراہیؒ کے روایتی معنوں میں شاگرد نہیں تھے بلکہ انھوں نے صحیح معنوں میں مولانا کی عالمانہ و مفکرانہ شخصیت کو اپنے اندر اتار لیا تھا اور تمام عمر مولانا کے فکر کے مرکز و محور کے ارد گرد اپنا ذہنی سفر جاری رکھا جس سے فکرِ فراہی کی روح ان کے فکر میں سمٹ آئی۔ مولانا اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> "میرا فکر میرے استاذؒ کے فکر سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ استاد مرحوم ہی کے فکر کی توضیح و تکمیل ہے۔"[۳]

لیکن "تدبر قرآن" کو مولانا فراہیؒ کے خیالات کا اعادہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا اصلاحی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن پر غور و فکر کرنے میں گذارا ہے۔ خود انھیں کے الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انھوں نے "قرآن حکیم کی ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں۔ ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک ادبی یا نحوی اشکال کے حل کے لیے ہر اس پتھر کے الٹنے کی کوشش کی ہے جس کے نیچے کسی سراغ کے ملنے کی توقع ہوئی ہے"۔[۳] مولانا کے اسی طویل غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ ان کی تفسیر قدماء کے تفسیری اقوال کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک انفرادی شان کی مظہر ہے، جس میں مولانا نے بہت سی آیات کی تاویل و تشریح میں بہت سے نئے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور بہت سے ایسے نکات پیش کیے ہیں جن تک دوسرے مفسرین کی نگاہ نہیں پہنچ سکی۔ پھر مولانا نے جس سنجیدہ، متین اور علمی انداز میں قرآن کی ترجمانی کی ہے اور جس طرح ہر قسم کے ذہنی معہودات اور فقہی و جماعتی عصبیت و گروہ بندی سے بلند ہو کر قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے اس سے مولانا کی مفسرانہ شخصیت اور بلند نگاہی کے جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔

مولانا نے قرآنی آیات کی توجیہہ و تاویل میں "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کے اصول پر صرف تفسیری روایات ہی پر اعتماد کرنے کے بجائے قرآن کے نظائر و شواہد کو اصل ماخذ و مرجع بنایا۔ قرآن مجید اپنی باتیں مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان کرتا ہے کہیں کسی بات کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تو کہیں اسی بات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ کہیں ابہام سے کام لیا گیا ہے تو کہیں وہی بات تفصیل و صراحت سے بیان کی گئی ہے۔ کسی جگہ صرف دعویٰ مذکور ہے تو دوسری جگہ دعویٰ کے ساتھ دلائل کی تفصیل بھی موجود ہے۔ مولانا نے "تدبرِ قرآن" میں اس اصول کی شدت کے ساتھ پابندی کی ہے اور قرآن فہمی کا اصل ماخذ قرآن ہی کو بنایا ہے۔ اس اصل ماخذ کے بعد جس چیز کو وہ قرآن کی تفسیر و ترجمانی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ سنت متواترہ اور احادیث و آثار صحابہ ہیں جیسا کہ ان کے اس بیان سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ 'میں احادیث کو تمام تر قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط سمجھتا ہوں۔ اس وجہ سے میں نے انھیں احادیث تک استفادہ کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں بلکہ پورے ذخیرہ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ خاص طور پر حکمت قرآن کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی ہے'۔[۴] اس تفسیر میں مفسرین کے اقوال و روایات کم ہی نظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتے ہیں۔ مولانا دیباچۂ تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آیات کی تاویل و توجیہ میں بھی قرآن کی زبان، کلام کے نظام اور قرآن کے نظائر و شواہد کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ کسی قول کو مجرد اس دلیل پر اختیار نہیں کیا گیا ہے کہ وہ اگلے اصحاب تاویل سے منسوب ہے۔ چنانچہ اس میں اقوال کی کثرت کے بجائے دلائل کی روشنی میں ہر آیت کی معین تاویل سامنے رکھی گئی ہے۔" [۵۹]

قرآن فہمی کے لیے عربی زبان سے گہری واقفیت ضروری ہے۔ قرآن مجید فصیح عربی زبان میں اترا ہے۔ لہٰذا جاہلی زبان و ادب کی باریکیوں اور اس کے بلیغ اشارات و کنایات سے پوری واقفیت کے بغیر قرآنی آیات کی توجیہ و تاویل معتبر نہیں ہو سکتی۔ مولانا اس حقیقت سے آگاہ ہیں لہٰذا لفظوں کی لغوی تحقیق اور اس کے صحیح معنی کی تعین میں بڑی دیدہ ریزی سے کام لیتے ہیں لفظ کے مختلف پہلوؤں کو اچھی طرح واضح کرنے اور مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی کی تعین کے لیے وہ کلامِ عرب سے استشہاد کرتے ہیں۔ تدبر قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ بعض آیات کی توجیہ و تاویل میں لغوی تحقیق ہی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کی آیت "وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ" (بقرہ: ۴۵)۔ میں مستعمل لفظ "صبر" کا معنی ہر خاص و عام جانتا ہے لیکن جب مولانا اس کی لفظی تحقیق کرتے ہیں تو اس کی صحیح معنویت ایک وسیع پس منظر میں کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ "صبر" کا معنی عام طور سے "عجز و مسکنت" سمجھا جاتا ہے لیکن مولانا حاتم طائی، اصبع اور زہیر بن ابی سلمیٰ مزنی کے اشعار کی روشنی میں "صبر" کا جو مفہوم بتاتے ہیں اس سے اس لفظ کی معنویت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک صبر کا مفہوم یہ ہے کہ "بندہ پوری طمانیت قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عہد پر ڈٹا رہے اور اس کے وعدوں پر یقین رکھے اور اس راہ میں اس کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑے ان کو پرکاہ کے برابر نہ سمجھے" [۶۰] اس طرح "صبر" عجز و مسکنت کے بجائے عزم و قوت کے سرچشمے اور بنیاد کی شکل میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔

اسی طرح "الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلٰقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ۝

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(بقرہ: ۴۶) میں لفظ "ظن" کا صحیح معنی متعین کرنے کے لیے طرفہ، اوس بن حجر اور درید بن صمہ کے اشعار سے استشہاد کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں آیت کی تشریح کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ آیت ۴۹ میں مستعمل لفظ "آل" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "آل" سے مراد صرف کسی شخص کی اولاد نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ لفظ آل واولاد، قوم وقبیلہ اور اتباع وانصار سب پر حاوی ہے۔ اس ضمن میں وہ نابغہ ذبیانی کا یہ شعر ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں ؎

من آلِ میّۃ رائح او مغتدی عجلان ذازادٍ وغیر مزودٍ

"میہ" کے قبیلہ کے لوگوں میں کوئی صبح روانہ ہوا کوئی شام، کوئی زادِ راہ کے ساتھ کوئی بغیر زادِ راہ کے۔

بقرہ آیت ۵۸ میں لفظ "سجدًا" کی تحقیق کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "سجدہ" کے اصل معنی سر جھکانے کے ہیں۔ اس سر جھکانے کے مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔ اس کی کامل شکل زمین پر پیشانی رکھ دینے کی ہے جو ہم نماز میں اختیار کرتے ہیں۔[۹] اس معنی کی تائید میں وہ عمرو بن کلثوم کا یہ شعر پیش کرتے ہیں:

اذا بلغ الفطام لنا صبیّ تخرّ لہ الجبابر ساجدینا

بسا اوقات لفظ کے صحیح معنی کی تعیین نہ ہو سکنے کی وجہ سے آیت کی تاویل وتوجیہ میں ایسا مفہوم لے لیا جاتا ہے جو سراسر قرآن کی روح کے منافی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آل عمران ۱۶۱ میں لفظ "غلّ" کی صحیح تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے عام مفسرین نے آیت کا جو مفہوم لیا ہے وہ کسی طرح صحیح نہیں۔ عام طور سے مفسرین "غلّ" کو مالی خیانت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں جبکہ یہ لفظ اپنے وسیع معنی میں بدعہدی و بدخواہی کے لیے بھی مستعمل ہے۔ اس وسیع معنی سے عدم واقفیت کی وجہ سے مفسرین یہ سمجھ بیٹھے کہ آیت میں منافقین کے اس الزام کی صفائی دی جارہی ہے جو انھوں نے ایک روایت کے مطابق مالِ غنیمت سے ایک چادر کی گمشدگی پر رسول اکرمؐ پر لگایا گیا تھا کہ آپؐ نے نعوذ باللہ مال غنیمت میں خیانت کی ہے۔ مفسرین کی یہ تشریح اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ آپؐ کو آپؐ کے کٹر دشمن بھی امین سمجھتے تھے۔ لہٰذا آپؐ پر خیانت کا الزام لگائے جانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ دراصل یہاں منافقین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اس الزام کا جواب دینا مقصود ہے جو وہ جنگ احد کی شکست کے بعد نبی اکرمؐ پر لگا رہے تھے کہ نبیؐ نے ہمارے مشورے کے مطابق شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے ایک نامناسب مقام میں مسلمانوں کو لے جا کر ہتھ تیغ کرا دیا یہ صریحاً قوم کی بدخواہی اور اس کے ساتھ غداری و بے وفائی ہے۔ اس الزام کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ قوم کے ساتھ بدخواہی و بدعہدی نبی کی شان کے خلاف ہے۔[۱۰]

کبھی آیت میں کسی لفظ کی نحوی ترکیب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے آیت کے صحیح مفہوم تک رسائی نہیں ہو پاتی۔ آل عمران آیت ۲۸ "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ" میں لفظ "تقاۃ" کی نحوی حیثیت سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے مفسرین نے "تقیہ" کی بحث چھیڑ دی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> "رفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت ظاہری تعلقات دوستانہ کی ضرورت ہے۔ آیت میں ایک طرف رد ہے فرقہ امامیہ کا۔ جس نے تقیہ کے حدود بہت وسیع کر کے اسے اپنے مذہب کا ایک جزو بنا لیا ہے اور دوسری طرف فرقہ خوارج کا جس نے جوازِ تقیہ سے سرے سے انکار کر دیا ہے۔"[۱۱]

حالانکہ یہاں "تقیہ" کی قباحت یا جواز کا ذکر ہی نہیں۔ بلکہ مولانا اصلاحی اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں " اللہ اور اعداء اللہ دونوں کے ساتھ بیک وقت دوستی قائم نہیں رکھی جا سکتی اللہ سے دوستی کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں سے اپنا دامن بچا کے رکھو جو اللہ کے، اس کے دین کے اور اس کے وفادار بندوں کے دشمن ہیں۔ یہ جملہ گویا "لَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ" سے استثناء ہے یعنی اس نفی سے مستثنیٰ صرف وہی ہیں جو ان کفار کی مخالف اسلام موالات سے اس طرح بچیں جس طرح اس سے بچنے کا حق ہے"[۱۲]

"تقاۃ" مفعول مطلق ہے اور حق تقاتہ" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مولانا اصلاحی اس نحوی تحقیق کی روشنی میں آیت کا مفہوم بیان کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس آیت سے جن لوگوں نے "تقیہ" کا جواز نکالا ہے انھوں نے لغت، نظائرِ قرآن اور سیاق و سباق ہر چیز کو نظر انداز کر دیا ہے۔"[۱۳]

"تدبر قرآن" کو دوسری تفاسیر سے ممتاز کرنے والی دوسری چیز قرآن کی مختلف سورتوں اور آیتوں کے درمیان نظم و ترتیب ثابت کرنے کی کوشش ہے بہت سے مفسرین کے نزدیک نہ تو ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی ربط ہے نہ ایک سورہ کی مختلف آیات میں باہم کوئی ربط و مناسبت ہے متقدمین میں امام رازیؒ، علامہ سیوطیؒ اور علامہ مخدوم علی مہائمیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے قرآن میں نظم و ربط کی اہمیت کو محسوس کیا ہے اور حکمت قرآن کا خزانہ اس نظم و ترتیب ہی کو قرار دیتے ہیں علامہ سیوطیؒ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترتیب اور نظم کا علم ایک نہایت اعلیٰ علم ہے لیکن اس کے مشکل ہونے کے سبب سے مفسرین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ امام فخرالدین کو اس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام رہا ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ حکمت قرآن کا اصلی خزانہ اس کے نظم و ترتیب میں چھپا ہوا ہے۔"[۱۴]

امام رازیؒ نے قرآن کی مختلف سورتوں اور آیتوں کے درمیان پائے جانے والے ربط کی توضیح بڑے شد و مد کے ساتھ کی ہے۔ ان کے نزدیک ربط کا انکار کرنا قرآن کے اعجاز کا انکار کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآنی حکمت کا بڑا حصہ ترتیب و نظم کے اندر پوشیدہ ہے۔[۱۵]

علامہ مخدوم مہائمیؒ نے بھی اپنی تفسیر "تبصیر الرحمان و تیسیر المنان" میں قرآن میں ربط و نظم تلاش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس اصول کو زیادہ مدلل اور مفصل انداز میں پیش کرنے کا سہرا علامہ فراہیؒ کے سر ہے جنھوں نے نظری و عملی دونوں ہی طرح نظم قرآن کی مستور حقیقت بے نقاب کی ہے۔ اپنے رسالہ "دلائل النظام" میں اپنے خیالات فن نظم سے متعلق بڑے مدلل اور جامع انداز میں پیش کیے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اللہ کی توفیق و عنایت سے میں نے اپنی تفسیر نظام القرآن میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ آیات قرآنی کے باہمی تعلق کو واضح کروں اور قرآن مجید کی ایک ایسی سادہ و صاف تفسیر لکھوں جو ان تمام اختلافات سے پاک ہو جو ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر عہد نبوت کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے ہر سورہ کے نظام کو اس کی تہہ میں اتر کر اور اس کے سیاق کو سمجھ کر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، پھر اس جدوجہد سے جو کچھ سمجھ میں آیا ہے اس کو عقل سے پوری طرح مدلل کیا ہے۔"[۱۴]

مولانا اصلاحی نے اپنے استاد کی اس روایت کو زندہ ہی نہیں رکھا بلکہ نظم کلام کو اپنی تفسیر کی بنیاد بنا کر عملی طور پر ثابت کر دیا کہ مولانا کا نظریہ صرف ذہنی مفروضہ نہیں بلکہ قرآن فہمی کی اصل کلید ہے۔ اس کو نظر انداز کر دینے سے قرآن کے معارف و حکم کا ایک بڑا خزانہ پردۂ خفا میں رہ جاتا ہے۔ مولانا مقدمہ تدبر قرآن جلد ششم میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کسی اعلیٰ کلام کا حسن و جمال اس کے نظام اور اس کی ترتیب کے اندر ہی مضمر ہوتا ہے اور اس کی قوت استدلال کا انحصار بھی بیشتر اسی چیز پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کتاب میں قرآن کا یہ پہلو سب سے زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ جو لوگ قرآن کے اندر کسی نظم اور ترتیب کے قائل نہیں ہیں ان کا یہ سوءِ ظن دور ہو۔ اس میں ہر سورہ کے مطالب کا تجزیہ کر کے سورہ کا عمود و موضوع متعین کر دیا گیا ہے جس سے ہر سورہ منتشر باتوں کے مجموعے کے بجائے ایک معین موضوع پر ایک جامع اور دل نشین خطبہ کی شکل میں نظر آتی ہے۔ مطالب کا تجزیہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ان کا باہمی منطقی ربط بھی خود بخود واضح ہو جائے اور عمود کے ساتھ ان کا تعلق بھی بے نقاب ہو جائے۔"[۱۵]

"تدبر قرآن" کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے سطور بالا میں جن حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے انھیں عملی طور پر برتا بھی ہے۔ مولانا ہر سورہ کا ایک عمود قائم کرتے ہیں اور اس عمود کے تحت آیات کا باہمی ربط و اتصال واضح کرتے ہیں اور تمام آیات کو باہم اس طرح جڑا ہوا دکھاتے ہیں کہ ایک آیت کو بھی بیچ سے ہٹا دیا جائے تو پوری سورہ کا نظم درہم برہم ہو جائے۔ وہ قرآن کی مختلف سورتوں کے درمیان باہمی ربط کی بھی توضیح کرتے ہیں کہ ہر سورہ اپنی سابق و لاحق سورہ سے جڑی ہوئی ہے۔ کسی طرح کی تقدیم و تاخیر سے سورہ کی معنویت متاثر ہو جاتی ہے۔ مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۂ فاتحہ کا سورہ بقرہ سے یہ ربط بتاتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں جس ہدایت و رہنمائی کی دُعا مانگی گئی تھی، سورہ بقرہ میں وہ ہدایت سامنے آگئی۔ سورۂ بقرہ اسی کتاب ہدایت کے ذکر سے شروع ہوئی ہے۔ اسی طرح سورہ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے درمیان ربط ثابت کرتے ہوئے دونوں کے درمیان زوجین کی نسبت بتاتے ہیں کہ ایک میں جو بات مجمل ہے وہ دوسری میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور دونوں کا موضوع رسول اکرمؐ کی رسالت کا اثبات ہے۔ اس ضمن میں اہل کتاب کے اعراض واستکبار پر ان کی سرزنش کی گئی ہے اور ان کی بداعمالیوں کو پوری تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک آیات کے باہمی نظم کا سوال ہے تو تدبر قرآن میں آیات کی تاویل و توجیہہ کرتے ہوئے نظم کلام کو خاص طور سے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر آل عمران کی آیات ۱۳۰ تا ۱۳۴ میں پہلے سود کی حرمت کا ذکر ہے اس کے بعد انفاق کا ذکر ہوا۔ مولانا بظاہر متضاد مفاہیم پر مشتمل آیات کے درمیان ربط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہاں نظم کلام کی وضاحت کے لیے بس اتنی بات یاد رکھیے کہ انفاق کے حکم سے پہلے سود سے روکنے کی بات بالکل ایسی ہی ہے جس طرح سچ بولنے کی ہدایت سے پہلے جھوٹ سے باز رہنے کی تاکید کی جائے۔"[۱۸]

سورہ بقرہ آیت ۲۸۴ "لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِيٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" سے پہلے "کتمانِ شہادت" کا ذکر ہے کہ "شہادت کو نہ چھپاؤ، جو شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل آلودۂ معصیت ہو جاتا ہے۔ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔ اب اس کے ساتھ اگر یہ مضمون لگا دیجئے کہ جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ تمھارے ظاہر و باطن سب کا محاسبہ کرنے والا ہے پھر جس کو چاہے گا وہ بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا" تو گویا بات پوری طرح مدلل بھی ہو گئی اور مدلل بھی"۔[۱۹] بظاہر ان دونوں آیتوں میں کوئی ربط نظر نہیں آتا لیکن مولانا ان دونوں آیتوں میں گہرا ربط ثابت کرتے ہیں جس سے ایک طرف آیتوں کی معنویت واضح ہو جاتی ہے تو دوسری طرف بات بھی مدلل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتی ہے۔[۲۵]

اسی طرح سورہ بقرہ آیت ۲۳۸ "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ" سے پہلے طلاق کے احکام کا ذکر ہے اور اس آیت کے بعد بھی طلاق کا ذکر ہے۔ بظاہر ان آیات میں بے ربطی کا احساس ہوتا ہے لیکن مولانا ان آیات میں گہرا ربط ثابت کرتے ہیں کہ نماز دین کی محافظ ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اُس نے سارے دین کی حفاظت کی اور جس نے اس کو ضائع کیا اس نے سارے دین کو ضائع کیا۔ ساری شریعت کا قیام و بقا اسی کے قیام و بقا پر منحصر ہے۔ اس کی حیثیت ایک حصار کی ہے جو سارے دین اور شریعت کی حفاظت کرتی ہے۔[۲۶]

تدبر قرآن میں ایسی بے شمار آیات میں باہمی ربط کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں بظاہر کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے بعض مقامات پر ہم مولانا کی رائے سے اتفاق نہ کر سکیں لیکن اس حقیقت سے شاید ہی انکار کر سکیں کہ بیشتر مقامات پر مولانا نے مختلف آیات میں جس باہمی ربط کی وضاحت کی ہے وہ اپنی جگہ درست ہے۔ اس سے آیات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور انھیں نظر انداز کر دینے سے حکمتِ قرآن کی روح تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔

قرآن قوانین کی کوئی خشک کتاب نہیں، نہ ہی وہ اصطلاحی مفہوم میں کوئی علمی و ادبی مقالہ ہے۔ وہ ایک صحیفۂ ہدایت ہے جو سرتاسر حکمت، اخلاق اور روحانیت کا مظہر ہے۔ "تدبر قرآن" میں قرآن کے اسرار و حِکم کو بڑے بلیغ انداز میں ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ایسی فلسفیانہ موشگافیوں اور دقیقہ سنجیوں سے احتراز کیا گیا ہے جن کا قرآن کے بنیادی مقاصد سے دور کا علاقہ بھی نہیں جو ذہنوں کو الجھا دیتی ہیں اور جن کی وجہ سے بسا اوقات قرآن کی اصل تعلیمات پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔

مولانا نے "تدبر قرآن" میں جو نکتے بیان فرمائے ہیں ان سے ایک طرف تو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے دل کو اپیل کرنے والے طرزِ استدلال کے بے شمار گوشے سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف ان سے تزکیۂ نفس اور ذہن و روح کی تطہیر کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ مولانا نے آیات کی تاویل و توجیہ کے ضمن میں دشمنانِ اسلام کی خباثت، بے ضمیری اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجرمانہ ذہنیت کو بے نقاب کرنے اور بے خدا تہذیب اور ملحدانہ نظریات پر ضرب کاری لگانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ اسلام اور قرآنی تعلیمات سے متعلق ذہنوں میں ابھرنے والے شکوک و شبہات کو بڑے دل نشین انداز میں دور کیا ہے عبادات کی مصلحت، اخلاق و حسن کردار کی اہمیت نیز دیگر تعلیمات اسلامی کی حکمتوں کو بڑے مدلل اور دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ مغربی فکر کے زیر اثر سامنے آنے والے بہت سے مسائل جو سادہ لوح لوگوں کے لیے ذہنی انتشار و بے اطمینانی کا باعث ہیں، ان کے تار و پود بڑی کامیابی سے بکھیرے ہیں۔ سود، شراب، بے حیائی، خاندانی منصوبہ بندی اور دوسرے مسائل پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ مختلف آیات کی تشریح کے ضمن میں مذکور اسرار و حکم، موجودہ ذہن کے اندر پننپنے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے والی توجیہات اور عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل سے متعلق تشریحات کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع اور ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

سورہ بقرہ آیت ۶۲ "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ کی تشریح کرتے ہوئے مولانا اصلاحی اُن مسلمانوں کی ذہنیت کو ہدف تنقید بناتے ہیں جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ملت محمدیہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خدا اُن سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں۔"..... اسی طرح مسلمان بھی امت مرحومہ میں ہونے کا یہ مطلب سمجھنے لگے ہیں کہ ان کے لیے تو بہر حال معافی ہے۔ خواہ ان کے اعمال کچھ ہوں۔ یہ آیت اس قسم کے توہمات کی جڑ کاٹتی ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کرتی ہے کہ خدا کے ہاں ایمان اور عمل صالح کی کسوٹی پر سب سے پہلے جو پرکھے جائیں گے ان میں مسلمان سر فہرست ہیں"۔[۲۱]

سورۂ بقرہ آیت ۱۰۲ کی تشریح کرتے ہوئے گنڈہ، تعویذ اور دوسرے عملیات میں دلچسپی رکھنے والوں کو متنبہ کرتے ہیں "جس طرح سحر، شعبدہ، حاضرات، فال اور کہانت وغیرہ کے قسم کی چیزیں خدا اور اس کی شریعت سے انسان کو برگشتہ کرنے والی ہیں اسی طرح اشیاء اور کلمات کے روحانی خواص یعنی گنڈے تعویذ اور جھاڑ پھونک کا علم بھی انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے ایک فتنہ اور کتاب و شریعت سے منحرف کرنے والا ہے۔"[۲۲]

سورۂ بقرہ آیت ۷۷ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اخلاقی دیوالیہ پن کی طرف بڑی دلسوزی کے ساتھ ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں:-

"کردار جو مغز دین اور روح دین ہے اس کا اہتمام بڑے بڑوں کے اندر بھی نہیں پایا جاتا۔ اہل مذاہب میں یہ کمزوری بہت نمایاں رہی ہے کہ انھوں نے عقائد و عبادات کے ظواہر پر تو بڑے بڑے معرکے اٹھائے ہیں لیکن کردار کی تعمیر پر انھوں نے بہت کم توجہ کی ہے۔"[۲۳]

سورۂ بقرہ آیت ۲۱۹ کی تشریح کے ضمن میں ان سطحی ذہنیت والوں پر تنقید کرتے ہیں جو محدود وقتی فائدے کے لیے دین کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ پہلے ذہنوں میں اٹھنے والے اس سوال کے جواب میں کہ جوئے اور شراب کے کچھ فائدوں کے باوجود انھیں حرام کیوں قرار دیا گیا، لکھتے ہیں "اس میں شبہ نہیں کہ ان چیزوں سے سوسائٹی کو بعض اعتبارات سے کچھ فائدے تو ضرور پہنچ جاتے ہیں لیکن ان سے فرد اور سماج دونوں کو جو مادی و اخلاقی نقصانات پہنچتے ہیں وہ ان کے فوائد کی نسبت سے بہت زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے ان کو حرام قرار دیا۔" اسی ضمن میں آگے لکھتے ہیں "یہ سوال بالکل اسی طرح کا سوال ہے جس طرح کا سوال وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو آج قحط، زلزلہ اور سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدوں کی امداد کے لیے فنڈ جمع کرنے کی خاطر رقص و سرود کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں یا سینما کے شو دکھاتے ہیں یا فلم اسٹاروں کے مظاہرے اور میچ کراتے ہیں۔۔۔ ان لوگوں کو بھی اگر ان کے برے راستوں کے اختیار کرنے پر ملامت کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ جب ہم یہ کام انسانیت کی خدمت کے لیے کر رہے ہیں تو اس میں کیا خرابی ہے؟ درحقیقت یہ لوگ بھی عرب جاہلیت کی طرح اپنی ان حماقتوں کے صرف انھیں پہلوؤں کو دیکھتے ہیں جو ان کی نگاہوں میں بظاہر نفع عوام کے ہیں، ان کی نظر ان ہولناک نقصانات کی طرف نہیں جاتی جو پورے معاشرے کو پہنچتے ہیں۔"[۲۴]

سورۂ آل عمران آیت ۱۵۹ کے ضمن میں ارباب اقتدار و سیاست کو نرمی و چشم پوشی کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں "عام افراد کی طرح ارباب اقتدار و سیاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے بھی پسندیدہ روش نرمی و چشم پوشی ہی کی ہے۔ اسی سے افراد میں حسن ظن اور اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے اجتماعی نظام میں وحدت، قوت اور استحکام کی برکتیں ظہور میں آتی ہیں۔ سختی اور سخت گیری اس کی فطرت میں نہیں بلکہ اس کے عوارض میں سے ہے جس طرح صحت کے لیے اصل شے غذا ہے لیکن کبھی کبھی کسی مرض کے علاج کے لیے دوا کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے اسی طرح اجتماعی نظام میں اصل چیز نرمی ہے سختی کبھی کبھی ضرورت کے تحت کرنی پڑتی ہے۔"[۲۵]

اس طرح مولانا نے "تدبر قرآن" میں کثرت سے قرآن کی ان حکمتوں کو پیش کیا ہے جن سے قلب و ذہن کو جلا ملتا ہے اور انسان کی شخصیت میں انقلاب رونما ہوتا ہے۔ قرآن کا یہی کیمیائی اثر تھا جس سے بچنے کے لیے کفار کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ قرآن کے الفاظ لوگوں کے کانوں میں نہ پڑنے پائیں کیونکہ انھیں یہ معلوم تھا کہ قرآن میں وہ اثر موجود ہے جو ذہنوں کو فتح اور دلوں کو مسخر کرسکتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں مولانا کے ترجمہ قرآن کا بھی کچھ ذکر کر دیا جائے۔ ترجمہ ایک نہایت مشکل کام ہے۔ ہر زبان کا ایک مخصوص مزاج اور انداز ہوتا ہے۔ اس کے اشارات و کنایات اور تشبیہات و استعارات کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے لہٰذا کسی زبان میں ادا کیے گئے خیالات کو دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنا کہ وہ اپنے پورے پس منظر اور تاثر کے ساتھ سامنے آجائیں، ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ پھر قرآن کی ترجمانی جس کی بلاغت و فصاحت کے سامنے عرب کے ان جاہلی شاعروں اور ادیبوں نے گھٹنے ٹیک دیئے جنھیں اپنی فصاحت و بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ دوسری زبان والوں کو اپنے مقابلے میں عجمی یعنی گونگا سمجھتے تھے یقیناً ایک بڑا دشوار کام ہے۔ قرآن کا ترجمہ اس وجہ سے اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ اگر بالکل لفظی ترجمہ کیا جائے تو وہ بالکل بے اثر اور سپاٹ ہو جاتا ہے اور قرآن کی اس اثر آفرینی سے محروم ہوتا ہے جو قرآنی آیات میں برقی رَو کی طرح موجود ہے۔ اگر آزاد ترجمانی ہو تو اس میں ایسی باتوں کے شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے جو قرآن کی عبارت میں موجود نہیں۔ عربی عبارت میں پائے جانے والے زیروبم اور بلیغ اشارات و کنایات کی عام فہم سلیس اُردو زبان میں ادائیگی خاصا مشکل کام ہے۔ اس کام کو بخوبی ایسا ہی شخص انجام دے سکتا ہے جو قدیم عربی زبان کے لب و لہجے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے فصیح و بلیغ اسلوب اور مخفی اشارات و کنایات سے آگاہ ہو۔ ساتھ ہی جس زبان میں ترجمہ کرنا ہو اس میں بھی پوری مہارت رکھتا ہو۔ "تدبر قرآن" میں ترجمۂ قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ مولانا نے اس اہم ذمہ داری کو بخیر و خوبی انجام دیا ہے۔ اس ترجمے میں نہ تو بالکل لفظی ترجمانی ہے اور نہ ایسی آزاد ترجمانی کہ ترجمے میں اپنی طرف سے کچھ ملا دینے کا گمان گزرے۔ اس ترجمے کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک بہترین خطیب ہونے کی وجہ سے مولانا قرآن کے خطیبانہ انداز اور اس کے اتار چڑھاؤ کو اپنی زبان میں منتقل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے ہیں۔ ترجمہ کی زبان روکھی پھیکی اور بے مزہ نہیں ہے بلکہ دلکش، شگفتہ اور دل میں اتر جانے والی ہے۔ 'تدبر قرآن' کو دوسری تفاسیر کے مقابلے میں اس وجہ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ وہ بہترین عصری اسلوب میں پیش کی گئی ہے۔ ذیل میں 'تدبر قرآن' سے ترجمۂ قرآن کے کچھ نمونے پیش کیے جا رہے ہیں جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا نے اس مشکل کام کو کس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے:

"اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے اقرار کرلیا کہ اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے، پھر تم نے ان باتوں کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔ پھر تم ہی لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو۔ پہلے ان کے خلاف حق تلفی اور زیادتی کر کے ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو۔ پھر اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ سرے سے ان کا نکالنا ہی تمہارے لیے حرام تھا۔ کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں اور آخرت میں یہ شدید تر عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ اللہ کسی چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تو نہ ان کا عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ کوئی مدد ہی پہنچے گی"

(البقرہ: ۸۴ - ۸۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد خدا کے مقابل میں کام آنے والے نہیں۔ یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور وہ اسی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جو کچھ اس دنیا میں خرچ کرتے ہیں اس کی تمثیل ایسی ہے کہ کسی ایسی قوم کی کھیتی پر جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو، پالے والی ہوا چل جائے اور وہ اس کو تباہ کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ہیں"۔ (آل عمران : ۱۱۶-۱۱۷)

آیات کی تشریح میں ادبی شانِ جمال و جلال اور بھی نمایاں ہے۔ سورہ آل عمران ۳۹ کی تشریح کے تحت لکھتے ہیں :

"سید کے معنی سردار کے ہیں۔ نبی اپنی فطرت، اپنی دعوت، اور اپنے مشن کے لحاظ سے سردار ہوتا ہے۔ وہ داعی بن کر لوگوں کو پکارتا، منذر بن کر لوگوں کو جگاتا اور ہادی و مرشد بن کر لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کام کے لیے وہ قدرت کی طرف سے تمام لوازم و اسلحہ سے مسلح ہوتا ہے۔ اس کا سینہ خلق کے لیے شفقت و رافت سے لبریز ہوتا ہے۔ اس کے کلام میں بے پناہ سطوت و جلالت ہوتی ہے، اس کی آواز اور اس کے انداز میں ہیبت ہوتی ہے۔ اس کی تابناک پیشانی اس کی عظمت و صداقت کی گواہی دیتی ہے۔ اگرچہ وہ کملی کی پوشاک پہنتا ہو اور جنگلی شہد اور ٹڈیوں پر گذارہ کرتا ہو لیکن اس کے رعب و دبدبہ سے بادشاہوں پر لرزہ طاری ہوتا ہے"۔[۲۶]

اس طرح مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمۂ قرآن میں بڑی حد تک روانیٔ عبارت بلاغتِ زبان و تاثیرِ کلام جیسی خصوصیات ملتی ہیں جو عام طور پر اردو تراجم میں مفقود نظر آتی ہیں۔

حواشی

۱۔ فنِ تفسیر میں مولانا فراہیؒ کے مجتہدانہ نکات کے لیے دیکھئے مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا مقالہ مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر سورہ ابی لہب ہشتماہی علوم القرآن، علی گڑھ ۲/۱ جنوری۔ جون، ۸۷ء، ص ۶-۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ دیباچہ تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۸ء، ۷/۸

۳ مقدمہ تدبر قرآن جلد اول صظ

۴ مقدمہ تدبر قرآن، جلد اول، ص ف ص

۵ دیباچہ تدبر قرآن، ۸/۸ ۶ تدبر قرآن ۱۴۴/۱

۷ ایضاً ۱۴۹/۱ ۸ ایضاً ۱۶۶/۱ ۹ ایضاً ۱۷۵/۱

۱۰ تدبر قرآن ۸۱۳/۱ ۱۱ تفسیر ماجدی ۵۶۰/۱

۱۲ تدبر قرآن، ۶۷۰/۱، ۱۳ ایضاً

۱۴ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۶۸ء، ۱۳۸/۲

۱۵ امام فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، مطبعۃ منیریہ مصر، ۱۳۳/۲۷

۱۶ حمید الدین فراہی، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر (بدون تاریخ) ص ۵

۱۷ ایضاً ص

۱۸ تدبر قرآن، ۶۷۶/۱ ۱۹ ایضاً ۶۰۳/۱

۲۰ ایضاً ۲۰۵/۱ ۲۱ ایضاً ۱۹۳/۱

۲۲ ایضاً ۲۴۵/۱ ۲۳ ایضاً ۳۸۴/۱

۲۴ ایضاً ۴۶۲/۱ ۲۵ ایضاً ۸۱۲/۱ ۲۶ ایضاً ۶۸۳/۱

اعلان ملکیت ششماہی علوم القرآن

مقام اشاعت : سر سید نگر، علی گڑھ
نوعیت اشاعت : ششماہی
پرنٹر پبلشر : سلطان احمد اصلاحی
قومیت : ہندوستانی
پتہ : ادارہ علوم القرآن، سر سید نگر، علی گڑھ

ایڈیٹر : اشتیاق احمد ظلی
قومیت : ہندوستانی
پتہ : شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
ملکیت : ادارہ علوم القرآن، سر سید نگر، علی گڑھ

میں اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا اطلاعات میرے یقین کی حد تک صحیح ہیں۔

سلطان احمد اصلاحی

© rasailojaraid.com